ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1917

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY, ISLAMABAD

کورس :تاریخِ اسلام • (1917) 2-سطح :بی ایس علومِ اسلامیہ

سمسٹر :خزاں2026 ء

امتحانی مشق نمبر) 2 یونٹ نمبر(9-5

کل نمبر • 100 وقت: 1 گھنٹہ 30 منٹ کے نمبر50 :

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(For Study & Reference)

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

نوٹ :یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ متعلقہ یونٹس کو کورس کی کتاب سے پڑھیں، مفاہیم کو سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ میں لکھیں۔

سوال نمبر :1 خلافتِ بنو امیہ کا تعارف 20) نمبر(

خلافتِ بنو امیہ کا تعارف تحریر کریں۔

تمہید

خلافتِ بنو امیہ اسلامی تاریخ کی پہلی باقاعدہ موروثی خلافت تھی جو41 ھ661) ء (سے132 ھ750) ء (تک قائم رہی۔ اس کا آغاز حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صلح سے ہوا، جسے» عام الجماعہ «یعنی اتحاد کا سال کہا جاتا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے دمشق کو دارالحکومت بنایا اور اکتالیس ہجری سے اس خاندان نے کم و بیش نوے برس تک تین براعظموں پر پھیلی ہوئی دنیا کی سب سے بڑی سلطنت پر حکومت کی۔ اموی دور اپنی فتوحات، انتظامی تنظیم اور عربی زبان و تہذیب کے فروغ کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔

بنو امیہ قریش کا ایک معزز قبیلہ تھا۔ ان کے چودہ خلفاء گزرے جن میں حضرت معاویہؓ، یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، یزید ثانی، ہشام بن عبدالملک اور آخری خلیفہ مروان ثانی شامل ہیں۔ اس خلافت کے دو ادوار معروف ہیں :سفیانی دور)معاویہؓ سے معاویہ ثانی تک (اور مروانی دور) مروان بن حکم سے مروان ثانی تک(۔ ذیل میں اس خلافت کے قیام، فتوحات، نظامِ حکومت اور زوال کا تعارفی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

قیامِ خلافت اور حضرت معاویہؓ کا دور

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ چند ماہ خلیفہ رہے، مگر امت کو خون ریزی سے بچانے کے لیے آپؓ نے41 ھ میں حضرت معاویہؓ سے صلح کر کے خلافت ان کے سپرد کر دی۔ حضرت معاویہؓ کاتبِ وحی اور جلیل القدر صحابی تھے؛ آپؓ حضرت عثمانؓ کے دور سے شام کے گورنر تھے اور وہاں آپ کو عوام کی گہری حمایت حاصل تھی۔ آپؓ نے اپنے بیس سالہ دور میں سلطنت کو داخلی استحکام دیا، شام کو دارالحکومت بنا کر مرکز مضبوط کیا اور فوج و بحریہ کو منظم کیا۔ آپؓ کے دور میں قسطنطنیہ پر حملے ہوئے، رودس و کریٹ جیسے جزیروں پر قبضہ ہوا اور خراسان و افریقہ کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید خلیفہ بنا تو کربلا کا سانحہ61) ھ(، مکہ و مدینہ کے واقعات اور عبداللہ بن زبیرؓ کی مخالفت نے سلطنت کو ہلا دیا۔ مروان بن حکم اور پھر عبدالملک بن مروان نے بڑی جدوجہد کے بعد73 ھ میں سلطنت کو دوبارہ متحد کیا؛ عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد عبدالملک واحد خلیفہ رہ گیا، اسی لیے اسے سلطنت کا دوسرا بانی کہا جاتا ہے۔ حجاج بن یوسف جیسے سخت گیر عاملوں کے ذریعے مرکز کی اطاعت بحال ہوئی۔

فتوحات کی وسعت

اموی دور فتوحات کی وسعت کے اعتبار سے خلافت کا سب سے بڑا دور ہے۔ مشرق میں قتیبہ بن مسلم نے وسط ایشیا میں بخارا، سمرقند اور خوارزم فتح کیے اور مسلمان چین کی سرحد تک جا پہنچے۔93 ھ712) ء (میں محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان فتح کر کے برصغیر میں اسلام کا دروازہ کھولا۔ مغرب میں عقبہ بن نافعؒ نے افریقہ میں قیروان آباد کیا

اور موسیٰ بن نصیر و طارق بن زیاد نے92 ھ711) ء (میں سپین) اندلس (فتح کیا؛ چند سال میں مسلمان پیرینیز عبور کر کے فرانس تک جا پہنچے، جہاں732 ء میں ٹورز) بلاط الشہداء (کی جنگ نے پیش قدمی روک دی۔

ولید بن عبدالملک کا دور86) ھ تا96 ھ (فتوحات کا سنہرا زمانہ تھا :ایک ہی دہائی میں سندھ، وسط ایشیا اور سپین کی فتوحات مکمل ہوئیں۔ یوں اموی سلطنت مغرب میں بحرِ اوقیانوس سے مشرق میں چین و ہند کی سرحدوں تک پھیل گئی اور اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی سیاسی وحدت بن گئی۔ ان فتوحات نے نہ صرف اسلام کی اشاعت کی بلکہ تجارت، زراعت اور ثقافتوں کے تبادلے کو بھی غیر معمولی فروغ دیا۔

نظامِ حکومت و انتظامی اصلاحات

انتظامی اعتبار سے امویوں نے سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کیا جن کے سربراہ عامل) گورنر (ہوتے تھے۔ عبدالملک بن مروان کی اصلاحات خاص طور پر اہم ہیں :اس نے سرکاری دفاتر) دیوان (کا ریکارڈ یونانی و فارسی سے عربی میں منتقل کیا، خالص اسلامی سکے) سونے کا دینار اور چاندی کا درہم (جاری کیے جن پر شہادتین کندہ تھیں، اور ڈاک کے نظام) برید(کو منظم کیا۔ دمشق میں قبۃ الصخرہ اور جامع مسجد اور مدینہ میں مسجدِ نبویؐ کی توسیع اسی دور کی تعمیراتی یادگاریں ہیں۔ بحری بیڑا، شاہراہیں اور سرحدی قلعے) رباط (بھی اسی نظام کا حصہ تھے۔

اس نظام کی کمزوری یہ تھی کہ خلافت شورائی اصول سے ہٹ کر خاندانی بادشاہت کی شکل اختیار کر گئی؛ ولی عہدی کا رواج پڑا اور عرب عصبیت نے موالی) نو مسلم غیر عربوں (کو دوسرے درجے کا شہری بنائے رکھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس تعصب کو ختم کرنے کی سنجیدہ کوشش کی، مگر ان کے بعد پرانا نظام لوٹ آیا۔ یہی داخلی کمزوریاں آگے چل کر زوال کا سبب بنیں۔

زوال اور اہمیت

اموی خلافت کے زوال کے اسباب میں جانشینی کے جھگڑے، یمنی و قیسی قبائل کی عصبی کشمکش، موالی کی ناراضی، خراسان میں عباسی دعوت کی منظم تحریک اور آخری خلیفہ مروان ثانی کے دور کی مسلسل جنگیں شامل ہیں۔132 ھ 750)ء (میں زاب کی جنگ میں مروان ثانی کو شکست ہوئی اور عباسی خلافت قائم ہو گئی، تاہم اندلس میں عبدالرحمن الداخل نے756 ء میں اموی امارت قائم کر کے خاندان کا نام وہاں تین صدیوں تک زندہ رکھا۔

اہمیت کے اعتبار سے اموی دور نے اسلام کو علاقائی ریاست سے عالمی تہذیب میں بدل دیا۔ عربی سرکاری و علمی زبان بنی، اسلامی سکے و فنِ تعمیر نے الگ شناخت پائی، سپین و سندھ جیسے خطے عالمِ اسلام میں شامل ہوئے اور وہ انتظامی ڈھانچہ تیار ہوا جس پر عباسیوں نے اپنی خلافت کی عمارت کھڑی کی۔ سانحۂ کربلا اور خاندانی سیاست جیسے تاریک پہلوؤں کے باوجود اس دور کو اسلامی تاریخ کا بنیادی اور تعمیری مرحلہ سمجھا جاتا ہے۔

جدول 1: بنو امیہ کے نمایاں خلفاء

خلیفہ	دورِ خلافت	نمایاں کارنامہ
حضرت معاویہؓ	41ھ تا60 ھ	دمشق کو دارالحکومت بنانا، سلطنت کا استحکام، بحریہ کی تنظیم
عبدالملک بن مروان	65ھ تا8 ھ	دوبارہ اتحاد، اسلامی سکے، دواوین کی عربی میں منتقلی، قبة الصخرہ
ولید بن عبدالملک	86ھ تا9 ھ	سندھ، وسط ایشیا و سپین کی فتوحات، جامع مسجد دمشق
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ	99ھ تا101 ھ	عدل و اصلاحات، حدیث کی تدوین کا فرمان
ہشام بن عبدالملک	105ھ تا125 ھ	انتظامی استحکام کا آخری بڑا دور

نتیجہ

خلاصے کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ خلافتِ بنو امیہ(41) ھ تا132 ھ (اسلامی تاریخ کی پہلی عالمی سلطنت تھی جس نے دمشق کو مرکز بنا کر ایشیا، افریقہ اور یورپ تک اسلام کا پیغام اور تہذیب پہنچائی۔ اس کے خلفاء میں حضرت معاویہؓ جیسے مدبر، عبدالملک جیسے منظم اور عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے عادل حکمران شامل ہیں۔ موروثیت، عصبیّت اور داخلی اختلافات اس کی کمزوریاں تھیں جنہوں نے بالآخر اسے عباسی انقلاب کے سامنے ڈھا دیا، مگر اس کی فتوحات، انتظامی نظام اور عربی اسلامی تہذیب کی بنیادیں آج بھی اس کے تاریخی مقام کو روشن رکھتی ہیں۔

سوال نمبر :2 اموی عہد میں دینی علوم کی سرگرمیاں 20) نمبر(

اموی عہد میں دینی علوم کے حوالے سے کیا سرگرمیاں رہیں؟ وضاحت کریں۔

تمہید

بنو امیہ کا عہد41) ھ تا132 ھ (اگرچہ فتوحات و سیاست کے لیے مشہور ہے، مگر دینی علوم کی تاریخ میں اس کی حیثیت بنیاد گزار کی ہے۔ یہ صحابہؓ کے آخری اور تابعین کے عروج کا دور تھا۔ قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور سیرت کے علوم اسی دور میں زبانی روایت سے نکل کر تدوین کے مرحلے میں داخل ہوئے۔ اس علمی سرگرمی کے مراکز مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، دمشق، مصر اور یمن تھے، جہاں بڑے بڑے تابعین علماء درس دیتے تھے۔

اس سرگرمی کی ضرورت اس لیے بڑھ گئی تھی کہ سلطنت وسیع ہو گئی تھی، غیر عرب نو مسلم بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور انہیں دین سکھانے کے لیے قرآن کی درست قراءت، احادیث کا محفوظ ذخیرہ اور فقہی مسائل کے جوابات درکار تھے۔ ساتھ ہی سیاسی و فکری اختلافات) خوارج، شیعہ، قدریہ وغیرہ (نے بھی منظم علمی کام کو جنم دیا۔ ذیل میں اہم دینی علوم کی سرگرمیاں بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کی حفاظت و قراءت

قرآنی علوم میں اموی عہد کی سب سے بڑی خدمت مصحف کی درست قراءت کا انتظام ہے۔ جب غیر عرب بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہوئے تو تلفظ کی غلطیاں پیدا ہونے لگیں۔ عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کے حکم سے نصر بن عاصم اور یحییٰ بن یعمر نے مصحف پر نقطے) اعجام (لگائے تاکہ با، تا، ثا جیسے حروف میں تمیز ہو سکے، اور ابوالاسود دؤلی نے اعراب) زبر، زیر، پیش (کی بنیاد رکھی جو بعد میں خلیل بن احمد فراہیدی کے نظام سے مکمل ہوئی۔ اس خدمت نے آنے والی نسلوں کے لیے قرآن کے متن کی درست ادائیگی کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

قراءت کے میدان میں مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ اور شام میں قراء کے حلقے قائم ہوئے جن سے بعد میں قراءاتِ سبعہ کی روایت بنی۔ مساجد میں بچوں کے لیے کُتّاب) ابتدائی مکاتب (قائم ہوئے جہاں قرآن حفظ و ناظرہ پڑھایا جاتا تھا۔ حضرت

عمر بن عبدالعزیزؒ نے قرآن کی تعلیم کی عام ترغیب دی اور کئی شہروں میں قاریوں کے وظائف مقرر کیے۔ نسخہ نویسی کی صنعت بھی فروغ پائی اور دمشق و دیگر شہروں میں خوبصورت مصاحف تیار ہونے لگے۔

علمِ حدیث :روایت سے تدوین تک

حدیث کے سلسلے میں اموی عہد میں دو بڑے کام ہوئے۔ اول، روایت کا وسیع سلسلہ جاری رہا؛ صحابہؓ مختلف شہروں میں پھیل چکے تھے، مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ میں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ مکہ و طائف میں اور حضرت انس بن مالکؓ بصرہ میں، اور تابعین نے ان سے احادیث حاصل کر کے آگے منتقل کیں۔ دوم، موضوع) من گھڑت (احادیث کے سدِ باب کے لیے اسماء الرجال اور راویوں کی جرح کا ابتدائی نظام وجود میں آیا۔

سب سے فیصلہ کن قدم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا سرکاری فرمان تھا جس کے تحت مدینہ کے گورنر ابوبکر بن حزم اور امام ابن شہاب زہریؒ نے احادیث قلم بند کرنا شروع کیں۔ امام زہریؒ کو حدیث کا پہلا بڑا مدون مانا جاتا ہے؛ ان کی جمع کردہ احادیث بعد کی عظیم کتب کی بنیاد بنیں۔ امام زہریؒ کے شاگردوں میں امام مالکؒ جیسے علماء شامل تھے، یوں اموی دور کی یہ کوشش عباسی دور میں صحیح ستہ کی تدوین تک پہنچی۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ اگر اموی عہد میں یہ فرمان نہ جاری ہوتا تو حدیث کا بہت سا سرمایہ روایت کرنے والوں کے انتقال کے ساتھ ضائع ہو جاتا۔

فقہ، تفسیر اور سیرت و مغازی

فقہ میں اس عہد میں دو مکاتب فکر ابھرے :مدینہ کا مکتب جو روایت و اثر پر زور دیتا تھا، اور عراق) کوفہ (کا مکتب جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پر قیاس و اجتہاد کی روایت چلی؛ اسی سلسلے سے آگے چل کر امام ابو حنیفہؒ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا حلقہ قائم ہوا۔ مدینہ کے» فقہائے سبعہ — «سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، قاسم بن محمدؒ، ابوبکر بن عبدالرحمن، عبیداللہ بن عبداللہ، سلیمان بن یسار اور خارجہ بن زید — اس عہد کی فقہی قیادت تھے جن سے مسائل کے جوابات حاصل کیے جاتے تھے۔

تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو» ترجمان القرآن «کہا جاتا ہے؛ ان کے شاگرد مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ اور طاؤسؒ نے تفسیری روایات آگے بڑھائیں۔ سیرت و مغازی میں عروہ بن زبیرؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایات لے کر مغازی کی

پہلی باقاعدہ تصانیف کی بنیاد رکھی، اور وہب بن منبہؒ نے یمن میں اسرائیلیات سمیت تاریخی و تفسیری مواد جمع کیا۔ یہ تمام مواد بعد میں ابن اسحاق و طبری جیسے مصنفین کی کتب کا ماخذ بنا۔

علمِ کلام، وعظ و تدریس اور تعلیمی نظام

اسی عہد میں عقائد کے مباحث نے علمِ کلام کی بنیاد رکھ دی۔ خوارج کے خارجی مسائل، تقدیر کے مسئلے پر معبد الجہنی و غیلان دمشقی کی قدری بحث، حسن بصریؒ کے مواعظ اور واصل بن عطا کے حلقے) جو بعد میں معتزلہ کی بنیاد بنا (اسی دور کی پیداوار ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ) وفات 110ھ (بصرہ کی جامع مسجد میں وعظ و فقہ کا حلقہ رکھتے تھے؛ ان کی مجلس سے فقہ، تفسیر، زہد و تصوف سبھی کو غذا ملی۔

تعلیم کا نظام مساجد کے گرد قائم تھا۔ ہر بڑے شہر کی جامع مسجد یونیورسٹی کا درجہ رکھتی تھی جہاں حلقوں میں قرآن، حدیث، فقہ، لغت و نحو کی تدریس ہوتی تھی۔ عربی نحو و لغت کی تدوین بھی دینی ضرورت سے شروع ہوئی : ابوالاسود دؤلی نے نحو کی بنیاد رکھی اور خلیل بن احمد) جن کا وصال اسی صدی کے آخر/دوسری صدی کے آغاز سے جڑتا ہے (نے علمِ عروض ایجاد کیا اور پہلی لغت» کتاب العین «مرتب کی۔ خلفاء میں سے عبدالملک نے عربی کو سرکاری زبان بنا کر اس تعلیمی سرگرمی کو مزید تقویت دی۔

جائزہ اور نتائج

ان سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ اموی عہد میں دینی علوم کی زیادہ تر ذمہ داری علماء و تابعین نے ذاتی و عوامی سطح پر اٹھائی؛ ریاست کا کردار عموماً سہولت فراہم کرنا تھا، جیسے قاضیوں و قاریوں کی تقرری، مصاحف کی کتابت اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کی سرکاری تدوین۔ تاہم بعض خلفاء کی سیاسی مصلحتیں، مثلاً حجاج کی سختیاں یا خطبوں میں سیاسی عناصر، علمی ماحول کو متاثر بھی کرتی رہیں۔

اس سب کے باوجود یہ عہد دینی علوم کی تدوین کا نقطۂ آغاز ہے۔ قرآن کی درست قراءت کا نظام، حدیث کی تدوین کا آغاز، فقہی مکاتب کی جڑیں، تفسیری روایات کا ذخیرہ اور عربی علوم کی بنیاد — یہ سب اسی دور کی دین ہیں۔ عباسی عہد کے عظیم علمی کارنامے انہی بنیادوں پر کھڑے ہوئے، اس لیے اموی دور کو دینی علوم کا تمہیدی اور بانی دور کہنا تاریخی طور پر بالکل بجا ہے۔

نتیجہ

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اموی عہد میں دینی علوم کی سرگرمیاں نہایت وسیع اور فیصلہ کن تھیں :مصحف پر نقطے و اعراب لگائے گئے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فرمان سے حدیث کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی، فقہائے سبعہ اور اہلِ عراق کے حلقوں نے فقہ کی بنیاد ڈالی ، ابن عباسؓ کے مکتب سے تفسیر اور عروہ بن زبیرؒ سے سیرت و مغازی کی روایت آگے بڑھی، اور حسن بصریؒ جیسے علماء نے وعظ و تدریس کو عام کیا۔ یہی سرگرمیاں آنے والے ادوار میں اسلام کے علمی عروج کی بنیاد بنیں اور آج کے دینی نصاب کی تاریخی جڑیں اسی عہد سے ملتی ہیں۔

سوال نمبر :3 بنو عباس کے دورِ عروج پر جامع نوٹ 20) نمبر(

بنو عباس کے دورِ عروج پر جامع نوٹ لکھیں۔

تمہید

بنو عباس کی خلافت132 ھ750) ء (میں قائم ہوئی اور656 ھ1258) ء (میں ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی پر اس کا خاتمہ ہوا۔ اس طویل عرصے میں پہلی تقریباً دو صدیاں — خاص طور پر ابو جعفر منصور سے مامون الرشید تک، اور عمومی طور پر945 ء تک — اس کا دورِ عروج کہلاتی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بغداد سیاسی طاقت، دولت، علم اور تہذیب میں دنیا کا مرکز تھا اور خلافتِ عباسیہ کی شان و شوکت کا چرچا چین سے یورپ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نوٹ میں دورِ عروج کے سیاسی، انتظامی، معاشی، علمی اور تہذیبی پہلوؤں کا جامع جائزہ لیا جاتا ہے۔

عروج کی بنیاد ابو العباس سفاح750) ء تا754 ء (نے رکھی، مگر اصل معمار ابو جعفر منصور754) ء تا775 ء (تھا جس نے762 ء میں دریائے دجلہ کے کنارے مدینۃ السلام) بغداد (آباد کر کے ایسا دارالحکومت بنایا جو اگلی پانچ صدیوں تک عالمِ اسلام کا دل رہا۔ اس کے بعد مہدی، ہارون الرشید786) ء تا809 ء (اور مامون الرشید813) ء تا833 ء (کے ادوار میں خلافت اپنی بلندی کی انتہا کو پہنچی۔

سیاسی استحکام و وسعت

دورِ عروج میں عباسی سلطنت مشرق میں وسط ایشیا و سندھ سے مغرب میں بحیرۂ روم کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی تھی؛ صرف اندلس امویوں کے پاس تھا اور شمالی افریقہ میں ادریسی و اغلبی حکومتیں نیم خود مختار تھیں۔ مرکزی حکومت مضبوط تھی؛ وزیرِ اعظم) برامکہ خاندان ہارون کے دور میں (اور صوبائی عاملوں کے ذریعے نظم چلایا جاتا تھا۔ سرحدوں پر بازنطینیوں سے باقاعدہ جنگیں ہوئیں اور ہارون نے بازنطینی ملکہ آئرین و شہنشاہ نیسفورس کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ داخلی بغاوتوں کو سختی سے کچلا جاتا تھا جس سے سلطنت کے بڑے حصے میں امن قائم رہا۔

ہارون الرشید کا دور اس عروج کا چمکتا ہوا نشان ہے۔ اس کی دیار کی مثالیں» الف لیلہ «کی کہانیوں میں محفوظ ہیں، مگر اس کے پیچھے حقیقی دولت اور نظام موجود تھا۔ سفارتی تعلقات چین اور فرانک بادشاہ شارلیمین تک سے قائم ہوئے؛ بغداد سے بھیجے گئے تحائف) بشمول ہاتھی اور آبی گھڑی (یورپ میں حیرت سے دیکھے گئے۔ سرکاری ڈاک، جاسوسی کا نظام اور قاضی القضاۃ کے عہدے) امام ابو یوسفؒ سب سے پہلے (نے ادارہ سازی کو نئی شکل دی۔

معیشت، تجارت و زراعت کی خوشحالی

اقتصادی لحاظ سے دورِ عروج کی خوشحالی کی بنیاد تین ستون تھے :زراعت، صنعت اور تجارت۔ عراق کی نہری نظام)سوادِ عراق (دنیا کے زرخیز ترین علاقوں میں تھا؛ نہریں، بند اور آب پاشی کے انتظام سے گندم، کھجور اور کپاس کی ریکارڈ پیداوار ہوتی تھی۔ کاغذ، ریشم، شیشہ، دھاتی برتن اور قالین کی صنعتیں بغداد، موصل، دمشق اور بصرہ میں عروج پر تھیں۔ خراج، عشر اور جزیے کی وصولی منظم تھی اور منصور و ہارون کے دور میں بیت المال اس قدر بھرا ہوا تھا کہ ہارون کے انتقال پر خزانے میں کروڑوں درہم موجود پائے گئے۔

تجارت میں بغداد کی حیثیت عالمی منڈی کی تھی۔ خشکی کے راستے شاہراہِ ریشم سے چین کا ریشم و چینی مٹی کے برتن آتے تھے اور بحری راستے بصرہ و سیراف سے ہندوستان، ملایا اور چین تک جاتے تھے۔ سلیمان تاجر جیسے جہاز رانوں کے سفرنامے اسی دور کی بحری تجارت کی گواہی دیتے ہیں۔ بنک کاری کا نظام) صک یعنی چیک، اور سفتجہ یعنی ہنڈی (عباسی دور کی ایجادات میں سے ہے جس سے سوداگروں کے لیے دور دراز لین دین محفوظ ہو گیا۔

علمی و تہذیبی عروج

دورِ عروج کی سب سے بڑی پہچان علم کی سرپرستی ہے۔ مامون الرشید نے بیت الحکمہ قائم کیا، ترجمے کی تحریک عروج پر پہنچی اور فلسفہ، طب، فلکیات و ریاضی میں مسلمان دنیا کے امام بن گئے۔ خود خلیفہ مامون علماء کے مباحث میں شریک ہوتا اور ماہرین کی قدر کرتا تھا۔ کاغذ کی صنعت کی بدولت کتاب عام ہوئی اور بغداد میں وراقین کی بڑی منڈیاں قائم ہوئیں۔ دینی علوم میں بھی یہ تدوین کا زمانہ تھا؛ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی دور سے جڑے ہیں اور حدیث کی صحاحِ ستہ انہی دو صدیوں میں مرتب ہوئیں۔

تہذیبی طور پر بغداد کثیر لسانی و کثیر ثقافتی شہر تھا جہاں عرب، فارسی، ترک، سریانی اور یونانی نژاد علماء و فن کار ساتھ کام کرتے تھے۔ فارسی ادب و درباری رسوم نے نئی رنگینی پیدا کی (جبکہ شاعری، موسیقی) زریاب و ابراہیم موصلی (اور فنِ تعمیر) سامراء کے محلات و مینار ملویہ — اگرچہ معتصم کا دور بعد کا ہے — اسی تسلسل میں تھا (عروج پر تھے۔ عباسی طرزِ تعمیر، محلے، حمام، بازار اور شفاخانے شہری زندگی کو وہ شکل دے رہے تھے جو بعد کے اسلامی شہروں کا نمونہ بنی۔

عروج کے اسباب اور حدود

اس عروج کے اسباب پر غور کریں تو چند چیزیں اہم نظر آتی ہیں (1) :تاکتور اور اہل خلفاء کی لمبی حکمرانیاں جن سے پالیسیوں میں تسلسل آیا؛ (2) اہلیت پر مبنی بھرتی، جس سے غیر عرب مسلمانوں) موالی (کو آگے بڑھنے کا موقع ملا اور سلطنت کی بنیاد وسیع ہوئی؛ (3) بغداد کا جغرافیائی محلِ وقوع جو مشرق و مغرب کی تجارت کا سنگم تھا؛ (4) مذہبی و علمی رواداری جس نے مختلف قوموں کے ذہین لوگوں کو مرکز میں جمع کر دیا؛ اور (5) بڑی حد تک داخلی امن جس میں زراعت و صنعت ترقی کر سکی۔

تاہم اسی عروج میں زوال کے بیج بھی چھپے تھے۔ مامون کے بعد معتصم نے ترک غلام سپاہیوں کی فوج بڑھائی جو بعد میں خلفاء پر حاوی ہو گئی؛ سامراء کی منتقلی، فوجی اخراجات اور صوبوں کی خود مختاری نے مرکز کو کمزور کیا۔ 945ء میں بنو بویہ کے بغداد پر قبضے سے خلیفہ محض علامتی رہ گیا۔ پھر بھی اس» عروج «نے جو علمی و تہذیبی سرمایہ پیدا کیا وہ خلافت کے سیاسی زوال کے بعد بھی صدیوں تک امت کی میراث بنا رہا۔

جدول 1: دورِ عروج کے نمایاں عباسی خلفاء

خلیفہ	دور	اہم کارنامہ
ابو جعفر منصور	754ء تا775 ء	بغداد کی بنیاد762) ء(، انتظامی استحکام
محمد مہدی	775ء تا785 ء	رفاہِ عامہ، حج کے راستوں و سہولتوں کی توسیع
ہارون الرشید	786ء تا809 ء	دربار کی شان، برامکہ، بازنطینیوں پر غلبہ، علمی سرپرستی
مامون الرشید	813ء تا833 ء	بیت الحکمہ، ترجمے و سائنس کا عروج
معتصم باللہ	833ء تا842 ء	سامراء کی بنیاد، بازنطینی محاذ پر فتوحات

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ بنو عباس کا دورِ عروج) تقریباً750 ء تا945 ء (سیاسی استحکام، معاشی خوشحالی، تہذیبی رنگا رنگی اور علمی بلندی کا حسین امتزاج تھا۔ بغداد کی بنیاد سے لے کر بیت الحکمہ تک، اور نہری زراعت سے شاہراہِ ریشم کی تجارت تک، یہ دور اسلامی تاریخ کا وہ روشن ترین صفحہ ہے جس نے دنیا کو علم، ادب، سائنس اور شہری تہذیب کے وہ تحفے دیے جن کا اثر یورپ کی نشاۃِ ثانیہ تک نظر آتا ہے۔ بعد کی کمزوریاں اپنی جگہ، مگر یہ عروج امت کی اس صلاحیت کی دلیل ہے جو قیادت، امن اور علم دوستی کے ملنے پر ظاہر ہوتی ہے۔

سوال نمبر 4: عہدِ بنو عباس میں سائنسی علوم کی ترقی 20) نمبر(

عہدِ بنو عباس میں ہونے والی سائنسی علوم میں ترقیوں کی نشاندہی کریں۔

تمہید

عہدِ بنو عباس750) ء تا1258 ء (میں سائنسی علوم کی ترقی انسانی تاریخ کے عظیم کارناموں میں سے ہے۔ بغداد، بصرہ، کوفہ، رے، نیشاپور اور بعد میں قرطبہ جیسے مراکز میں مسلمانوں نے یونانی، فارسی اور ہندی ورثے کو حاصل کر کے اسے تحقیقات سے کہیں آگے بڑھایا۔ اس ترقی کی بڑی وجوہ خلفاء کی سرپرستی، بیت الحکمہ جیسے ادارے، ترجمے کی تحریک، کاغذ کی سستی دستیابی اور دینی ضروریات) اوقاتِ نماز، قبلہ، وراثت و تقویم (تھیں جنہوں نے فلکیات، ریاضی اور طب کو عملی اہمیت دی۔

اس دور کی سائنسی ترقی کی خصوصیت یہ تھی کہ مسلمان سائنس دانوں نے محض نقالی کے بجائے تجربہ، مشاہدہ اور تنقید کو اپنایا۔ انہوں نے پرانے نظریات کو جانچا، غلطیاں درست کیں اور نئے علوم کی بنیادیں رکھیں جن پر بعد میں یورپ کی سائنس کھڑی ہوئی۔ درج ذیل میں اہم علوم کی ترقی کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

ریاضی :الجبرا، الگورزم اور ہندی اعداد

ریاضی میں سب سے بڑا نام محمد بن موسیٰ خوارزمی) وفات تقریباً850 ء (کا ہے، جو مامون کے بیت الحکمہ سے وابستہ تھے۔ ان کی کتاب» کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ «سے الجبرا ایک مستقل علم بنا؛ لفظ» الجبرا (Algebra) «اسی کتاب سے ماخوذ ہے اور» الگورزم (Algorithm) «ان کے نام الخوارزمی کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ خوارزمی نے ہندی اعداد) بشمول صفر (کو منظم صورت میں پیش کیا، جو عربی کے راستے یورپ پہنچے اور آج» عربی اعداد «کہلاتے ہیں۔ انہوں نے مثلثات کی جداول اور جغرافیائی نقشوں کی درستگی پر بھی کام کیا۔

بعد میں عمر خیام نے مکعب مساواتوں کی درجہ بندی کی اور ہندسے سے ان کا حل پیش کیا، ابو کامل نے الجبرے کو وسعت دی، اور ابوالوفا بوزجانی و بتانی نے مثلثات) ٹرگنومیٹری (کو فلکیات سے الگ مستقل علم کی حیثیت دی؛ سائن، ٹینجنٹ اور کوسیکنٹ کے تصورات انہی کی دین ہیں۔ ابو ریحان بیرونی نے زمین کے محیط کی پیمائش اس درستی سے کی جو جدید پیمائش کے حیرت انگیز حد تک قریب ہے۔ یہ تمام کام عباسی علمی ماحول ہی کی پیداوار تھے۔

فلکیات :رصدگاہیں، زیج اور بطلیموس پر تنقید

فلکیات میں عباسی سائنس دانوں نے عباسی خلفاء کی سرپرستی میں بغداد) شماسیہ (اور دمشق میں رصدگاہیں قائم کیں، جہاں اسطرلاب سمیت جدید آلات سے اجرامِ فلکیہ کا مشاہدہ ہوتا تھا۔ محمد بن موسیٰ بن شاکر) بنو موسیٰ (اور ان کے بھائیوں نے مکانیات و فلکیات میں گرانقدر کام کیا۔ محمد البتانی) وفات929 ء (نے بطلیموس کی کئی غلطیاں درست کیں، سال کی مدت انتہائی درستی سے متعین کی اور سورج و چاند کے مداروں کے حسابات بہتر کیے؛ ان کی زیج یورپ میں صدیوں استعمال ہوئی۔

ابو عبداللہ فزاری نے ہندی فلکیات) سند ہند (سے استفادہ کر کے پہلا عربی اسطرلاب بنایا اور زیج مرتب کی۔ عبدالرحمن صوفی نے» صور الکواکب الثابتہ «میں ستاروں کا نقشہ و فہرست نئے سرے سے مرتب کی جس میں کئی ستاروں کے نام آج بھی عربی اصل کے ہیں) مثلاً Betelgeuse وغیرہ(۔ یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ مسلمان فلکیات دانوں نے بطلیموس کے نظام کو سوال کے بغیر قبول نہیں کیا؛ ابن الہیثم جیسے سائنس دانوں نے اس پر مدلل تنقید کی جس کی بنیاد پر بعد میں کوپرنیکس کے انقلاب کی راہ ہموار ہوئی۔

طب :رازی، زہراوی اور ابن سینا

طب میں عباسی دور کو دنیا کی طبی تاریخ کا سنہرا عہد کہا جاتا ہے۔ محمد بن زکریا رازی865) ء تا925 ء (نے» الحاوی « (Liber Continens)جیسی ضخیم کتاب لکھی، چیچک اور خسرہ میں فرق سب سے پہلے بیان کیا اور تجربے و مشاہدے پر زور دیا۔ انہوں نے جالینوس کی بعض آراء پر بھی تنقید کی۔ ابو القاسم زہراوی) وفات1013 ء (قرطبہ سے تعلق رکھتے تھے) شہر عباسی علمی دنیا ہی کا حصہ تھا (اور انہیں جراحی کا بانی مانا جاتا ہے؛ ان کی» التصریف «میں دو سو سے زائد جراحی کے آلات کی تصویریں اور استعمال بیان ہے۔

امیر ترین شخصیت شیخ الرئیس ابن سینا980) ء تا1037 ء (کی ہے جن کی» القانون فی الطب «یورپ کی یونیورسٹیوں میں سولھویں صدی تک نصاب میں شامل رہی۔ عباسی دور میں شفاخانے) ہسپتال (باقاعدہ ادارے بنے :بغداد میں عضدی شفاخانہ982) ء (میں طبیبوں کی سند کا نظام، مریضوں کا ریکارڈ، دواؤں کی تیاری اور طبی طلبہ کی تربیت ہوتی

تھی۔ علی بن عیسیٰ نے آنکھوں کے امراض پر» تذکرۃ الکحالین «لکھی اور ابن نفیس نے بعد میں دورانِ خونِ صغیر)چھوٹا نظامِ گردش (دریافت کر کے ولیم ہاروے سے صدیوں پہلے سنگِ میل رکھ دیا۔

کیمیا، بصریات اور فزکس

کیمیا میں جابر بن حیان) وفات تقریباً 815 ء (کو اس علم کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے کیمیا کو جادو ٹونے سے نکال کر تجرباتی سائنس بنایا؛ کشید، کرسٹل سازی اور محلول سازی کے آلات و طریقے ایجاد کیے اور نائٹرک تیزاب، نمک کا تیزاب وغیرہ جیسے تیزابوں کی تیاری کے طریقے بیان کیے۔ ان کا اصول پسندی کہ ہر دعوے کو تجربے سے پرکھا جائے، جدید سائنسی طریقِ کار کی ابتدائی صورت ہے۔ رازی کی» سر الاسرار «نے بھی کیمیائی آلات و عملیات کی درجہ بندی کی۔

بصریات (Optics) میں ابن الہیثم965) ء تا1040 ء (کی» کتاب المناظر «انقلاب تھی۔ انہوں نے یونانی نظریہ رد کر کے ثابت کیا کہ روشنی بیرونی چیز سے نکل کر آنکھ میں داخل ہوتی ہے، کیمرے کا ابتدائی تصور) قمرہ (دیا اور عدسے، انعکاس و انعطاف کے قوانین پر تجربات کیے۔ ان کے تجرباتی طریقے کو اگلی نسلوں نے اپنایا اور مغربی سائنس دانوں) راجر بیکن، کیپلر وغیرہ (نے انہی سے استفادہ کیا۔ اسی طرح بنو موسیٰ کی» کتاب الحیل «اور جزری کی مکانیاتی ایجادات انجینئرنگ کی ترقی کی مثالیں ہیں۔

فلسفہ، جغرافیہ اور دیگر علوم

فلسفے میں ابو یوسف الکندی کو» فیلسوف العرب «کہا جاتا ہے؛ فارابی» المعلم الثانی «کہلائے اور ابن سینا کے فلسفیانہ نظام نے قرونِ وسطیٰ کی یورپی فکر کو متاثر کیا۔ مسلمان فلسفیوں نے ارسطو و افلاطون کی شرحیں لکھیں اور عقل و نقل کے تعلق پر بحث کو نئی جہات دیں۔ منطق، طبیعیات اور مابعد الطبیعیات کے درجنوں تصورات اسی دور میں مدون ہوئے۔

جغرافیہ و ارضیات میں ابن خردادبہ، یعقوبی، اصطخری، ابن حوقل، مقدسی اور مسعودی نے دنیا کے تفصیلی نقشے و تفصیلات فراہم کیں؛ بیرونی نے» کتاب الہند «میں ہند کی سائنس و ثقافت پر بے نظیر تحقیق پیش کی اور ارضی پیمائشوں میں نئے طریقے استعمال کیے۔ زراعت میں ابن وحشیہ کی» الفلاحۃ النبطیہ «اور آب پاشی، نہری انجینئرنگ اور

ملٹری ٹیکنالوجی کے میدانوں میں بھی یونانی ورثے سے آگے بڑھنے کے شواہد ملتے ہیں۔ مجموعی طور پر عباسی سائنس یورپ کو منتقل ہو کر جدید سائنس کی بنیاد بنی، جس کا اعتراف مغربی مورخین بھی کرتے ہیں۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ عہدِ بنو عباس میں سائنسی ترقی ہمہ گیر تھی :خوارزمی نے الجبرا و الگورزم دیے، بتانی و صوفی نے فلکیات کو مشاہداتی علم بنایا، رازی و ابن سینا نے طب کو نظام دیا، جابر نے تجرباتی کیمیا اور ابن الہیثم نے بصریات کی بنیاد رکھی، جبکہ بیرونی نے ارضی پیمائش اور تقابلی مطالعہ میں کمال کیا۔ اس ترقی کا راز ترجمے سے آگے بڑھ کر تحقیق، تجربہ اور تنقید کے کلچر میں تھا، جس کی سرپرستی ریاست نے کی۔ یہی سرمایہ اندلس و سسلی کے راستے یورپ منتقل ہوا اور جدید سائنس کی تمہید بنا، لہٰذا عباسی دور کو مشرق و مغرب کی سائنسی تاریخ کا سنگِ میل قرار دینا بجا ہے۔

سوال نمبر :5 سپین میں مسلمانوں کے زوال پر جامع نوٹ 20) نمبر(

سپین میں مسلمانوں کے زوال پر جامع نوٹ لکھیں۔

تمہید

سپین) اندلس (میں مسلمانوں کا دور92 ھ711) ء (میں طارق بن زیاد کی فتح سے شروع ہو کر1492 ء میں غرناطہ کے سقوط تک تقریباً آٹھ صدیوں پر محیط رہا۔ یہ عروج و زوال کی مکمل داستان ہے :ایک طرف قرطبہ کی وہ شان ہے جب یہ شہر عبد الرحمن ثالث اور حکم ثانی کے دور میں یورپ کا سب سے روشن شہر تھا، اور دوسری طرف 2 جنوری1492 ء کو آخری حکمران ابو عبداللہ) بوابدیل (کا الحمراء کی چابیاں فرڈیننڈ و ایزابیلا کے حوالے کرنا ہے۔ اس نوٹ میں زوال کے اسباب کو تاریخی ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا زوال کوئی اچانک واقعہ نہیں تھا؛ یہ صدیوں پر پھیلا ایک عمل تھا جس میں اندرونی اختلافات، سیاسی تقسیم، قبائلی عصبیتیں اور شمالی عیسائی ریاستوں کے بڑھتے ہوئے اتحاد نے مل کر کردار ادا کیا۔ زوال کو سمجھنے کے لیے اندلس کی تاریخ کے اہم موڑ، خاص طور پر خلافتِ قرطبہ کا خاتمہ1031) ء (اور طوائف الملوک کا دور، سمجھنا ضروری ہے۔

ابتدائی کمزوریاں :عصبیّت اور نسلی اختلافات

فتح کے آغاز ہی سے اندلسی مسلمان معاشرے میں کئی طبقات آباد تھے :فاتح عرب) بلدی و شامی(، بربر سپاہی، مقامی نو مسلم) مولّدون (اور یہودی و عیسائی رعایا) موزارب(۔ عربوں اور بربروں کے درمیان وسائل و عہدوں پر کشمکش رہی؛ شامی و یمنی عربوں کی قبائلی رقابت نے بھی پھوٹ ڈالی، اور مولّدون کو دوسرے درجے کا سمجھا جانے لگا۔ یہ سماجی دراڑیں وقتاً فوقتاً بغاوتوں کی شکل اختیار کرتی رہیں، جن میں عمر بن حفصون کی طویل بغاوت880) ء تا917 ء (نمایاں ہے جسے عبد الرحمن ثالث کو برسوں کی محنت سے ختم کرنا پڑا۔

عبد الرحمن الداخل756) ء تا788 ء (نے اموی امارت قائم کر کے اندلس کو بغداد سے آزاد مضبوط ریاست بنایا تھا، اور عبد الرحمن ثالث912) ء تا961 ء (نے929 ء میں خلافت کا اعلان کر کے اندلس کو عروج پر پہنچایا۔ قرطبہ میں پانچ لاکھ سے زائد آبادی، لائبریری میں چار لاکھ کتب اور رات کو روشن سڑکیں اس عروج کی گواہ تھیں۔ مگر یہ استحکام اہل شخصیات کی قیادت پر مبنی تھا، ادارے مضبوط نہ تھے، اس لیے اہل حکمران کے بعد نظام کمزور پڑ جاتا تھا۔

فتنۂ قرطبہ اور طوائف الملوک کی تقسیم

زوال کا فیصلہ کن موڑ دسویں صدی کے آخر میں آیا جب حاجب المنصور بن ابی عامر نے خلیفہ ہشام ثانی کو پسِ پردہ کر کے عملی اقتدار سنبھال لیا۔ المنصور کی فوجی کامیابیاں) بمشمول برشلونہ و سانتیاگو پر حملے (اور مضبوط مرکز عارضی تھا؛ اس کے بیٹوں کے دور میں1009 ء میں قرطبہ میں فتنہ برپا ہوا، بربر و صقلبی دستوں کی لڑائیوں نے شہر کو تباہ کیا اور1031 ء میں اہلِ قرطبہ نے خلافت ہی ختم کر دی۔ یوں واحد عظیم ریاست درجنوں چھوٹی ریاستوں »طوائف الملوک «میں بٹ گئی، جن میں اشبیلیہ) عبادی(، غرناطہ) زیری(، طلیطلہ) ذوالنونی(، سرقسطہ) ہودی (وغیرہ نمایاں تھے۔

طوائف کے حکمران آپس میں لڑتے، ایک دوسرے کے خلاف عیسائی بادشاہوں سے مدد لیتے اور بقا کے لیے عیسائی ریاستوں کو بھاری خراج) پاریاس (دیتے تھے۔ یہ خراج مسلم خزانے سے نکل کر دشمن کو مضبوط کرتا گیا۔ علمی و ادبی سرگرمیاں)مثلاً ابن حزم، ابن زیدون (اس دور میں بھی جاری رہیں، مگر سیاسی تقسیم کا ناگزیر نتیجہ یہ نکلا کہ1085 ء میں قشتالہ کے الفونسو ششم نے طلیطلہ فتح کر لیا — یہ اندلس کے قلب پر پہلا بڑا وار تھا اور زوال کی باقاعدہ ابتدا تھی۔

مرابطین و موحدین کی مداخلت اور عارضی تحفظ

طلیطلہ کے سقوط پر اشبیلیہ کے معتمد بن عباد نے درد بھری پیش بینی کے ساتھ شمالی افریقہ سے مرابطین کو بلایا۔ یوسف بن تاشفین نے1086 ء میں زلاقہ کی جنگ میں الفونسو کو کراری شکست دی اور اندلس مرابطی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اس سے عیسائی پیش قدمی تقریباً نصف صدی رک گئی۔ مگر مرابطین کی سخت گیری اور اندلسیوں پر ٹیکسوں نے مقامی حمایت کم کر دی اور ان کے زوال پر بارہویں صدی کے وسط میں موحدین نے اندلس کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا؛ عقوب المنصور نے1195 ء میں الارکوس کی جنگ میں عیسائیوں کو بڑی شکست دی۔

تاہم1212 ء میں لاس ناواس دے ٹولوسا) العقاب (کی جنگ میں موحدین کی فیصلہ کن شکست نے توازن ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ اس کے بعد قرطبہ1236) ء(، اشبیلیہ1248) ء (اور دیگر بڑے شہر یکے بعد دیگرے عیسائیوں کے قبضے میں چلے گئے۔ صرف جنوب مشرقی پہاڑی خطے میں1232 ء میں قائم ہونے والی امارت غرناطہ) بنو نصر/بنو الاحمر (بچ گئی، جو اگلی ڈھائی صدی تک قشتالہ کو خراج دے کر اور اس کی سیاست میں کھیل کر اپنا وجود برقرار رکھتی رہی، مگر یہ بقا عملاً زوال کی طویل التوا تھی، ترقی کا دور نہیں۔

عیسائی ریاستوں کا اتحاد اور غرناطہ کا سقوط

مسلمان تقسیم ہوتے گئے جبکہ عیسائی ریاستیں متحد ہوتی گئیں۔ قشتالہ و لیون کا اتحاد1230) ء(، اراغون کی توسیع، اور بالآخر1469 ء میں فرڈیننڈ) اراغون (و ایزابیلا) قشتالہ (کی شادی سے سپین ایک متحد کیتھولک سلطنت بن گیا۔ »ریکون کوئیستا) «بازیابی کی تحریک (کو مذہبی رنگ دے کر پورے یورپ سے مدد حاصل ہوئی، جبکہ مسلمانوں کو شمالی افریقہ سے مستقل مؤثر مدد میسر نہ آ سکی؛ بنو مرین کی مداخلتیں بھی وقتی ثابت ہوئیں۔

آخری دور میں خود غرناطہ کے حکمران خاندان کی داخلی لڑائی) ابوالحسن، ان کے بیٹے بوابدیل اور بھائی الزغال کا تنازع (نے دفاع کو مفلوج کر دیا۔1482 ء سے1492 ء تک دس سالہ جنگ میں عیسائی افواج نے ایک ایک کر کے قلعے سر کیے، تجارتی ناکہ بندی کی اور توپ خانے کا استعمال کیا۔ 2 جنوری1492 ء کو بوابدیل نے الحمراء کی چابیاں حوالے کر دیں اور مشہور مقولے کے مطابق» اللہ اکبر «کے پہاڑ) سُسپیرو ڈیل مورو (سے آخری نظر ڈال کر رونے لگا۔ اسی سال امریکہ کی دریافت نے ہسپانوی طاقت کو عالمی بنا دیا، جبکہ مسلمانوں کے لیے اندلس کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

سقوط کے بعد نتائج اور اسباب کا خلاصہ

سقوط کے بعد جو کچھ ہوا وہ زوال کی تکمیل تھی۔ معاہدے کے باوجود مسلمانوں پر مذہبی جبر بڑھتا گیا؛1499 ء سے جبری تبدیلیِ مذہب، عربی زبان و لباس پر پابندی اور محکمۂ تفتیش) انکوائزیشن (کی سختیاں آئیں۔ مسلمان)مورسکوس (کئی بار بغاوت کرتے رہے) مثلاً1568 ء کی البوخاراس بغاوت (اور بالآخر1609 ء میں لاکھوں مورسکوس کو سپین سے جلا وطن کر دیا گیا۔ یوں آٹھ سو سال اسلامی اندلس کا وجود مکمل طور پر ختم ہو گیا، البتہ اس کی میراث —فنِ تعمیر) الحمراء، قرطبہ کی جامع مسجد، اشبیلیہ کی حیرالدا(، علوم، زراعت) نارنگی، چاول، آب پاشی (اور عربی الفاظ — ہسپانوی تہذیب میں آج تک زندہ ہے۔

اسباب کا خلاصہ یوں نکلتا ہے :اول، باہمی نفاق اور طوائف کی نظام؛ دوم، عرب، بربر و مولّدون کی عصبیّت؛ سوم، دشمن کو خراج دینے اور اس سے ایک دوسرے کے خلاف مدد لینے کی تباہ کن پالیسی؛ چہارم، شمالی افریقہ سے بروقت و مستقل مدد کی کمی؛ پنجم، عیسائی ریاستوں کا بڑھتا سیاسی اتحاد و مذہبی تنظیم؛ اور ششم، آخری حکمرانوں کی نااہلی و خاندانی جھگڑے۔ سبق واضح ہے :ملت کی قوت اس کی وحدت اور اداروں میں ہوتی ہے؛ جب وحدت گئی تو عروج کی بلندیاں بھی زوال کو نہ روک سکیں۔

جدول :1 اندلس میں زوال کے اہم مراحل

سال	واقعہ	اہمیت
711ء	طارق بن زیاد کی فتح	اسلامی اندلس کا آغاز
929ء	عبد الرحمن ثالث کی خلافت	قرطبہ کا عروج
1031ء	خلافتِ قرطبہ کا خاتمہ	طوائف الملوک کی تقسیم شروع
1085ء	طلیطلہ کا سقوط	عیسائی پیش قدمی کا فیصلہ کن آغاز
1212ء	لاس ناواس) العقاب (کی شکست	موحدی طاقت کا خاتمہ
1492ء	غرناطہ کا سقوط	اسلامی سپین کا اختتام
1609ء	مورسکوس کی جلاوطنی	مسلم آبادی کی موجودگی بھی ختم

نتیجہ

مجموعی نتیجہ یہ ہے کہ سپین میں مسلمانوں کا زوال کسی ایک جنگ یا حکمران کی غلطی کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ صدیوں کے اندرونی انتشار، قبائلی و نسلی عصبیّت، خلافت کے بعد سیاسی تقسیم، اور متحد و پرعزم عیسائی طاقت کے دباؤ کا منطقی انجام تھا۔ مرابطین و موحدین کی مداخلتوں نے اس عمل کو مؤخر ضرور کیا مگر ختم نہ کر سکیں۔ 1492ء میں غرناطہ کے سقوط کے ساتھ آٹھ صدیوں کا شاندار تہذیبی باب بند ہو گیا، لیکن اندلس کی علمی، تعمیراتی اور زرعی میراث نے یورپ کی تاریخ کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ اور اس کی داستان آج بھی اتحاد، بصیرت اور ادارہ سازی کی اہمیت کا سب سے بڑا تاریخی سبق ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com